
THE
OUDH PUNCH LUCKNOW
Volume
1925
WISE MAN IS NOT TO BE DICTATED TO BUT HE IS
UN TO OTHERS (ARISTOTLES)
S. Fazlullah Artist

جلد ۱۰ نمبر ۴۳

مضامین غیر

مورخہ ۱۱ نومبر ۱۹۲۵ء

غزل حسب حال زمانہ

(اثر خامہ جناب نون)

وہ لٹھ لے کے آنے پہ جب گھبرا سے جاتے ہیں
کسی کا عشق کیا انہیں جو ہم بند رہ سکتے ہیں

کوئی پوچھے وہ بارہ آپ کیوں زحمت اٹھاتے ہیں
پلٹ کر لکھنؤ آتے ہیں جو منھ کی وہ کھاتے ہیں

ابھارے لاکھ انھیں کوئی وہ کب چڑھتے ہیں گھیرے
جو لیکر جوتیاں جلسہ سے کمبخت بھاگ جاتے ہیں

مسلمانوں عبث اس بات کا تم کو تعجب ہے
پے تقریر وہابی جو بھرا ان کو بلاتے ہیں

چھپا لبعد گھسنے کے بھی جب کرتا نہیں پٹ پوں
تو منکا کرتے ناخن سے بچے پھر بجاتے ہیں

طلب کرتے ہیں وہ بہر علاج قوم جب چندا
تو یاران ملت انکو قارورہ دکھاتے ہیں

وہ چندا مانگنے جاتے ہیں پھو کے جاتے ہیں منحنی
یہ خالی ہاتھ دکھلاتے ہیں وہ چندہ لکھاتے ہیں

مسلمانوں ذرا تاملی تو نقصان ہوتا ہے
عجائب گھر کے دو گنبد سے بھی ڈر کر بجاتے ہیں

مزار حسرت مردوں سے ڈھا دیں تو ندکا گنبد
کہاں ہیں وہ جو تیسے سب کی قبروں سے گراتے ہیں

پہونچتے ہیں گرو کے پاس جب یہ دیا پیلے
مودب بیٹھ کر لوں مچ کے دریا بہاتے ہیں

قسم ہے دو کے سر کی کہ میدان شقاوت میں
کچھ خبر آ ابن سعد بھی آگے جاتے ہیں

یہی ہاتھی وہ ہیں جو ل کے اپنی فوج کو ماریں
ہزاروں کو خدا کھرا تھیں پھر کو بھی لے جاتے ہیں

صدا آتی ہے روضہ سے نبی کے۔ خیر کعبہ کی
کہ فوج ابرہا کے فیل سوتے ہوتے جاتے ہیں

تفریق بے کی آمد

دھوم دھامی جلسے کی ڈمریزی

(نمبر ۳)

(بسلسلہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

سفرہ آرایان ایوان مفت خوری و لقمہ فرد بردگان بزم عفرا تفریح و سینہ زوری طفیلیان خوان تجرع غصص و غم خواران عریان حصص۔ اس ڈمریزی کا حال یوں بیان کرتے ہیں کہ جب شہسوار عرصہ گرسنگی مسٹر محمد علی میدان رفاہ عام سے روٹھ کے جز بز جلاتے جھنجھلاتے چیختے چلاتے لکھنؤ والوں کی بے تمیزی یا بخیال اہل لکھنؤ صدر صاحب کی عقلمندی کا رونا روتے کوستے کاٹتے کا مسکہ ریاح بیچنے ہوا گاڑی پر بسان گرد بیٹھے تو لگے اندھیرے میں گھورنے اور لیسورنے کمبخت لکھنؤ والوں سے خدا سمجھے بڑے غدار ہیں۔ عیار ہیں مکار ہیں۔ مار سے ان پہ ابن سعود کی مار۔ تفریق بے کی گفتگو تو سنتے رہے مگر جب ہماری باری آئی تو نہیں سنیں گے نہیں سنیں گے کی رٹ لگا دی۔ یہ اپنے دل میں خوش ہوئے کہ ہم نے جلسہ درہم برہم کر دیا مگر کوئی جلسہ ہو دس آدمی چیخنا چلانا شروع کریں تو وہ ناتمام رہے گا۔ ہائے گلا بیٹھ گیا۔ بھائی چودھری امرود کی چٹنی گیہوں کی بھوسی اور نمک کا غرغرہ تیار رکھنا اگر گرما گرم توالوں کی سینک کافی نہ ہوئی تو غرغرہ کروں گا۔ راوی کہتا ہے کہ "غدار" کی لفظ سنتے ہی ایک منچلے سے نہ رہا گیا اور اس نے طعن سے کہا "سچ ہے" یعنے لکھنؤ والوں کی غداری میں کیا شبہ ہے وہ اپنے گھر بلاتے ہیں غذا سے چرب جو کہ ذیابیطس کے حق میں سخت مضر ہے کھلاتے ہیں یہ غداری ہے "مولانا بناتے ہیں یہ مکاری ہے" سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں یہ عیاری ہے لاکھوں روپیہ جس کا بڑا حصہ خدا جانے کس کی توند میں گلوڑوں کوں بولتا پھرتا ہے حوالے کر دیے جس کے عوض میں غداری کا تمغہ ملا۔ غیر شاکر کے ساتھ نیکی کرنے کا بدلہ یہی ہے۔ اس "سچ ہے" کی آواز پر ایک مہذب ہندی "نجدی" نے انگریزی میں جو اُسکے باپ ابن سعود کی قدیمی زبان ہے گالی دی۔ مگر گالی کا جواب سنے بغیر وہ بھی اندھیرے میں غائب ہو گیا اور موٹر کو بھی ساتھ لیتا گیا راہ کی گفتگو معلوم ہے۔

اب ناظرین آنکھیں بند کریں اور ہو سکے تو گلیم عیاری عمرو یا الوپ انجن استعمال فرمائیں تاکہ ایک دعوتی کرے میں ناخواندہ مہمان یا طفیلی متصور کیے جائیں برقی روشنی میں مجلتے چمچے چھریاں کانٹے پلیٹیں قابیں پیالے ہر ایک عجوبے کے گلمرے کو لاحق اطعمہ بننے کی ہدایت کر رہے ہیں۔ اسوقت پرہیز کی پروا نہیں معدہ مرمّی (از رخصت) سے لے کے قولون مستقیم یا امعائے مستقیم کے آخری حصہ تک اصلاح بھرا جا رہا ہے جیسے کوئی اناڑی اگلے زمانے والا سپاہی بندوق بھرتا ہے۔ یا بنارس کے پانڈے لڈوؤں کے گولے کمی توپ میں اُتارتے ہیں۔ گویا معدہ خلافت کمیٹی کی تھیلی کی طرح پھٹنے پھٹانے یا حساب طلب کرنے کی کشاکش سے بے خوف ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ من وزی کی ہی عطاء تدبیر تھی مگر معلوم نہیں یہ کہاں تک سچ ہو گیا سنتے کہ اس سے پیشتر بھی بارہا دعوتیں اور کبھی قصیدے لکھ کر موقوف نہوئی۔ ممکن ہے کہ اس دعوت میں "غداری" کے کوفتے "خوشامد حکام" کے کباب "کذب" کا پلاؤ "خلف وعدہ" کا زعفران تیار ہوا ہو اور پچسارہ سینہ حلق میں جو شکایتیں دوستوں کو پیدا ہوئی تھیں وہ سب سمٹ کے نوالوں کے ساتھ حلق میں اُتر گئی ہوں۔ اب "الزام" کی شکر کا کوئی ریزہ نہ بچا ہو مگر ہمیں یقین نہیں ہم نے کھانے اور غرغرے کا تماشا بارہا دیکھا ہے۔ حلق سے اترنے کے بعد شہد اور شراب برابر ہے۔ باور نہ ہو تو چقندر واڑے کا کہو اور دہی کا پنچانہ کسی ہوشیار ڈاکٹر سے بشرطیکہ انصاری ہو ملاحظہ کروائیے۔ بو میں فرق ہوگا۔ ذری فرق بھلا ہمارا ذمہ۔ اکثر بو شناس یہی کہتے ہیں اور یہی کوئی وجہ نہیں کہ انھیں جھٹلائیں غرغرے کا تماشا تو ہم الوپ انجن لگائے اسوقت بھی دیکھ رہے ہیں۔

بلکہ صاف کہے شکایت ہے کہ ریشمی قمیصوں بہتر ین ولایتی غذاؤں کا ذکر تم نے ولایت سے آ کے یہاں کیوں کیا۔ ہائے میری بدنامی کے باعث اسکی تقصیر اور تم ہی ہو حسین نے ...... میں اسلام کے سینے پر پہلا گولا رسید کیا بھوں بھوں بھوں، خوخو خو غرضکہ حبیب مکرم بچارے سیدھے سادے آدمی انھوں نے یہ تو کہا نہیں کہ اس کے خانقاہوں کی پرستش کرنے والوں کے سینے پر گولیاں مارنا اور جہاد کرنا مذہبی سنت ہے جسکے رواج دینے کے واسطے آج تم اپنے پیر شیخ نجدی کی بنا پر عمل کرنے پھرتے ہو یہ تطہیر اہل سنت کا قانون اگرچہ لیجانا دقت ہاتھ آیا مگر اسوقت بیکار آمد ہے انھوں نے یہ کہا کہ بھائی میں نے جو کچھ آنکھوں سے دیکھا تھا وہی بیان کیا ارشاد تمھاری ریشمی قمیصیں دیکھ کے دل ایسا للچایا کہ میں نے سب دوکانیں چھان ڈالیں کہیں نہ ملیں صرف ایک دوکان پر ملیں بھی تو پانچ پونڈ فی قمیص یعنی پچھتر روپیہ بلکہ پچاسی روپیہ ایک قمیص کے دام سنے۔ دام تھے مسہل قوی اور میں بیک تھا ضعیف لہذا عالم سفر میں یہ کلا کے رو سے چالان پسند کیا اور وہاں سے بھاگا اس جواب سے تشفی نہوئی اور شرت لوٹے کی طرح دوسرا سوال یوں نکالا گیا کہ یہ روپیہ تم نے کہاں سے پائیں۔ وہ تو قومی خزانے کے باپ کی نہ تھیں میرے ایک دوست نے تحفۃً دی تھیں۔ اور ہاں سنئو تو سہی تم نے یہ بھی تو کہا تھا کہ میں وہاں ایک ہوٹل میں ٹھہرا تھا مرے کھانے کے کمرے کی وسعت اور آراستگی اس کمرے سے جسمیں اسوقت بیٹھا ہوا ہوں زیادہ تھی ہوٹل کا مالک دس بارہ آدمیوں کا کھانا ہر وقت تیار رکھتا تھا۔ سوال تھا سخت مگر حبیب صادق نے جواب دیا کہ پھر جھوٹ کیا ہے۔ میں بھی ان دعوتوں میں شریک ہوا ہوں۔ ایسا مزے دار ایسا عمدہ کھانا امیروں اور شاہزادوں کے سوا کون کھا سکتا ہے۔ البتہ میں اسے خلاف تہذیب سمجھا کہ تم سے قمیص کی بابت کوئی سوال کرتا۔ کہاں سے لی کس نے بیونتی کس نے سی۔

یہ سوالات کوئی مہذب شخص نہیں کرتا؟
اس آدھی رنی باون تولے کے اکسیری جواب سے مرچوں کی تیزی بڑھادی اور نوبت یہ جرح و قدح آگئی۔ کہنے لگے سب سچ بولتے ہو تو تو بتاؤ دنگے کوں سے تھے؟؟"

حبیب صادق بھلا اتنے دنوں کی بات اور پھر ایسی معمولی بات کیا بتا سکتے انھوں نے ذرا عیش نصف العیش کے طور پر جیبی بریکی کی نقلیہ میں اعلےٰ غذاؤں کے نام لینا شروع کیے بلکہ ذائقہ

ہو گئے ہوتے۔ تم جھوٹے ہو وہاں ہرگز امیرانہ خاطر و تواضع کا ان لذت حالات کی اور عمدہ غذاؤں کی قناعت پیشہ مسلمان کہاں اور عالیشان ہوٹل کہاں۔ ابھی چند روز ادھر کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے قالین نذر کیا تھا ہم بالشتیوں کو قالین سے کیا واسطہ یہاں ہمیشہ سے خاک پر بسم اللہ کرنے والے ہیں واپس کیا جب اصرار حد سے سوا ہوا تو علامہ بالتحقیق بے منطقے نے خذا مال الاحمق فرما کے لے لیا اور تحفہ دینے والے سے کہا۔ آقا تو تو مسلمان امیر الکرم الاحمق ہو کہاں یہ مال دو دوم آغا احمق نہیں آغا کو دو دو دیکھا آپ نے مشغلہ؟ سفر میں جیسی قناعت برتی گئی ویسی اللہ ہمارے تمام خرکاسے کار کو نصیب کرے۔ کھانوں کی تفصیل سنئو۔ اُبلے ہوئے آلو۔ ادکار رفتہ چقندروں کی چٹنی۔ چقندری کا حلوہ۔ جوش کیے ہوئے سینگ۔ تھالنس پھوس۔ جھینس کے انڈے کا دو مغیوی۔ بٹیر کی نٹ فٹ۔ چچھا کی چوں چوں سبا ہو تا بیس خوردہ سگوں ہوٹل پر تکمہ رتہ کا کتا پکتا ہو۔ نان پاؤ یا کیک کا استعمال ہم جانتے ہیں کہ حرام ہے کیونکہ اسکی شکل انگی قربت مشابہ ہے۔ مولانا پیرزادہ صاحب نے بھی انتہائی ضبط نفس کشتی فرمائی پہنے کو پانچ پانچ پائجامہ کے کوٹ پتلون مگر بیچارے طہارت وعلت کے خیال سے کئی مرتبہ ہائڈ پارک کی خوبصورت ڈنڈیاں جمع کرنے اور ککری خانے سے لال بیگ تلنے پر مجبور ہوئے ہوٹل کی ایک چیز نہیں کھائی افسوس کفایت شعاری کا بھاڑ پھوڑا۔ بھائی صاحب! جب سے مہمان ہوئے اسراف و تبذیر سے بچتے ہیں۔ اخوان الشیاطین بننے سے پرہیز کرتے ہیں۔ اگر ہم اپنی خوراک سے بجائے چاول چند پھلی ضرورتوں کے باعث ہو گیا ہے تو اسمیں قوم کا اجارہ نہیں۔ کسی قومی جماعت بیجارہ کو ہماری ذاتیات میں دخل دینے کا حق ہے۔ ... یہ کہ دسترخوان بہت وسیع تھا تو ایک



صرف ایک ہی مہرہ (پیادہ)

قومی روپیہ نے اسقدر مجبت کر دیا تھا کہ چھٹی کے دودھ کی طرح آجتک فراموش ہوا تھا۔ مختصر یہ کہ گردن مروڑنا، مرغ مسلّم کھچڑی سے دو چھیاں چرچیں مٹن چاپ نے کیک در شلغم بنایا۔ پانی کے ورکے تیار کیا کٹلس کے نام سے دانت کٹکٹا کے پیٹ نے خفیف کیا۔ سوپ نے کاربی جو کا لگاؤ پڈنگ نے ڈینگا کی جیسے وحیڑی۔ جیلی نے جیل کی سختی اور قومی کرسی پر بٹھا یا۔ آخر دال بریوں کا تو س دھیلا ہوا کمین نے خشونت بڑھائی کا دو بریختہ ہوا

مسلمان" اگر سوا الضعیف و لو کان کا فرا" سے گریز نہیں کر سکتا۔ فرغر بھوں بھوں خر۔ بھوں غو۔ عف۔ دلیل کی قوت کا (اظہار)

مولانا پنچ! سائل کی مجبوری اور بےبسی عجیب کی بیکلی اور ڈھٹائی دیکھ کے آپ کے بوڑھی آنکھوں سے ایک آدھ گرم گرم آنسو نکلنے ہی والا تھا لہٰذا وہ اس خوف سے کہ مبادا "الوپ انجن" بہ منزلہ بنائے دعوت گاہ و ضیافت منزل سے بھاگا گیا سنئے کہ نظر لگانے کا الزام ذری سخت ہے دعوت کی ذمہ داری مسلم لیگ کی صدارت کی تحریر ہے سے دوسری ذمہ داری سمجھئے اور ۲۰ اکتوبر کی رسم میں جو بنگی دم آٹھویں نومبر کو نکلی اُسے تمام ذمہ داریوں کا مجموعہ سمجھئے۔ تمام دنیا جانتی ہے کہ خلافت کمیٹی اس ضرورت سے ایجاد ہوئی تھی کہ ترکی خلیفۃ المسلمین غیروں کے ہاتھ میں پھنسے ہوئے تھے۔ کیسی پولیٹیشن کے باعث مصیبتوں کا ہجوم تھا۔ روپیہ سے خزانہ خالی تھا ہندوستانی مسلمانوں کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ اصلی چیز روپیہ ہے اگر روپیہ سے مدد کی جائے تو انقلاب وہاں ترک یقیناً ان مصائب کا مقابلہ کر سکتے ہیں نانچہ روپیہ کی بارش ہونے لگی کروڑوں کی رقم ہے ہیں بائیس لاکھ روپیہ سنا جاتا ہے کہ ترکوں نے کے باقی یاروں نے اڑائے بارے سعی کمیٹی کامیاب رہی ترکوں نے خلیفہ و خلافت دونوں سے دست کشی منیا کی بارے سعی کمیٹی کامیاب رہی۔ عراق عرب میں انگریزوں کا وقار قائم رہا یعنی کمیٹی کامیاب رہی۔ سلطان حسین معزول شریف پر تراضنات ہوئے اور بے میل حجت تسلیم کئے گئے یعنی خلافت کمیٹی کامیاب رہی۔

ابن سعود نے اہل طائف و پناہ گزینان حرم کا خون بہایا مسجدیں کھودیں قبریں مسمار کیں یعنی خلافت کمیٹی کامیاب رہی۔

اب مدینہ پر دھاوا ہے چڑھائی کرنے والے خونریزی کے الزام سے بری ہیں جو لوگ اپنے گروہ میں وہ لوہم بنائے جاتے ہیں یعنی خلافت کمیٹی کامیاب رہی

آپ ہی انصاف سے کہئے بے دست و پا ہندوستانی مسلمان بڑی بڑی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہوتے تو خود ہندوستان ہی میں رہ کے غلامی کا طوق کیوں پہنتے اتنا بھی کیا تو بہت کیا مگر دنیا کمبخت اندھی ناسپاس حق ناشناس ہے اب ان عظیم الشان کامیابیوں پر اعتنا نہیں کرتی نہ اس پر غور کرتی ہے کہ بڑی کدوکاوش سے خلافت سنی اب مزار حضرت رسالت مٹانے کی باری ہے اگر اس وقت چندہ نہ دیا تو پھر کامیابیوں کی چلتی ہوئی کوکھ میں نظر لگ جائے گی۔ سُنتے ہیں کہ اہل دل حضرات میں سے سب کے پہلے یہ درد ہمارے شہر کے "لعب نامہ" سیٹے لینے ظفر الملک صاحب کے دل میں پیدا ہوا جن کو اب لوگ تعظیماً نواب ظفر الملک بہادر الناظر یار جنگ کہنے لگے ہیں۔ افواہ کی تائید کسیقدر اس بات سے ہو سکتی ہے کہ آپ نے بجائے اعلان کے ایک تنبیہ نامہ اہل شہر کے نام شائع کروایا اور اسمیں اپنی ناکامی کی کھسیاہٹ یوں ظاہر کیا کہ ۲۰ اکتوبر کے جلسہ میں ایسی ناشائستہ حرکتیں کی گئیں جو لکھنؤ کی تہذیب کے منافی ہیں۔ اب ۸ نومبر کو پھر مولانا محمد علیصاحب تشریف لانے والے ہیں...... اگر ایسے لوگوں کے سبب سے پھر بدنظمی کا احتمال ہوا تو منتظمین جلسہ انکے خارج کرنے پر مجبور ہونگے۔ یہ اعلان قریباً دس کم ستر آدمیوں کے نام سے شائع ہوا جن میں سے اکثر بے نام و نشان ہیں اور اگر گمنام نہ بھی تب بھی انکی شہرت دوسرے ناموں سے ہوگی مثلاً کلو، بدھو، جما، کچھو، خیراتی شبراتی سمنیا سبھنیا شینی اشتیجر ذابح البقر دائم الخمر قاطع الشجر۔

کچھ مشاہیر میں سے بھی ہیں۔ مثلاً ظفر الملک صاحب کے سالے جنھیں سنا ہے کہ نواب ظفر الملک الناظر یار جنگ بہادر آئندہ سال کے آخر تک سالار جنگ اکبر یا سالار جنگ اصغر کا خطاب عنایت فرمانے والے ہیں۔ یا مولوی محمد ایوب صاحب فرنگی محلی محمد نسیم صاحب وکیل۔ ظہور احمد صاحب وکیل ڈاکٹر محمد نسیم صاحب انصاری چودھری خلیق الزماں صاحب وغیرہم۔

۲۰ر اکتوبر کے جلسے میں اہل جلسہ کے ساتھ جو گستاخانہ برتاؤ کیا گیا تھا اُسکا شریفانہ جواب یہی تھا کہ ہیں ہنس گے" کسی دوسرے شہر کے جلسے میں اگر جناب صدر یا جناب مقرر آپ محمد علیصاحب ایسی حرکت جتاتے تو بُری ہوتی۔ اس گستاخانہ رویہ کا بدل یہ دھمکی تھی کہ بولوگے تو نکلوا دینگے۔ اسکا جواب یوں دیا گیا کہ آٹھویں نومبر کو پچیس تیس آدمی شہر بھر میں سے جلسہ گاہ تک آسکے۔ باقی کے لیے باب جانا بند رہا تین بجے کا وقت مقرر تھا پانچ بجے جب علی برادر آئے تو بازار "لاحول" کے نعروں سے انکا استقبال ہوا۔ تمام دھمکیاں گیدڑ بھبکیاں ثابت ہوئیں نہ بان نکل سکی دوسروں کو خارج کرنا کیسا خود ہی نکل بھاگے۔ اب بوندوں جو کا گھڑے لنڈھائے ڈیب ہوتا ہے اخراج کا بند و بست نہیں ہو سکا رہ گیا محنتوں کا کل مشکیں شانہ پر لادکی شملہ دستعلی یعنی علامت مولویت حافظ الراس من الآفات بینے گھر ہی رہ گیا شان نیابت خداوندی بالکل کرکری ہو گئی۔

کچھری برخاس دانہ نہ گھاس۔

واقف — مرپور ٹر

روزانہ اخبار سُفت

کانپور کا روزانہ اخبار "صدائے مسلم"

نہایت آب و تاب کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ اسکی خبریں بالکل تازہ ہوتی ہیں اور اسکے مقالات نہایت پُر مغز ہوتے ہیں۔ یہ قوم کا سچا خادم ملت اسلامیہ کا سچا ہمدرد مسلمانوں کے حقوق کا حقیقی محافظ ہے۔ اسکے مطالعہ سے دنیا کی جدید ترین خبروں کو جلد از جلد معلوم کرنے کی سہولت کے علاوہ تمام اہم مسائل اسلامیہ اور جملہ امور قومی پر نہایت صائب اور سود مند تنقید بھی دستیاب ہو سکتی ہے اس زمانہ انحطاط و زوال و ابتلائے قومی میں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اسے پڑھے اور دوسروں کو اسکے مطالعہ کا شوق دلائے ان تمام محاسن کے باوجود قیمت فی پرچہ صرف دو پیسہ۔ گویا مفت

شرح چندہ

ماہوار	سہ ماہی	ششماہی	سالانہ
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

منیجر

سیل تدقیق در سُرمۂ تحقیق

نمبر ۳

(تتمہ ۲ نومبر ۱۹۲۵ء)

یہ کوئی تلاش کی خوبی نہیں ہے کہ کتابیں دکھائیں اور جہاں کہیں دارا کی لفظ لکھی ہوئی دیکھی جھٹ سے وہ عبارت نقل کر دی چاہے معترض کا دفع دخل اُس مثال سے ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو۔ ظفر کی نثر میں بھی دارا کے معنی مالک کے ہیں اور اس مصرعے میں بھی ؎

دارا اسے عرش مرتبہ سلطان مرو بخش

یعنے مرتبۂ عرش رکھنے والا سلطان اگر یہاں دارا سے شخص معین مراد ہو تو معنی بھونڈے ہو جائیں گے۔ علیٰ ہذا القیاس قاآنی کا مصرع

تو آن شاہی تو لی آمر تو لی داور تو لی دارا

داور مختلف ہے داور (عادل حاکم) کا یہاں صاف صاف دارا مالک کے معنی میں ہے اگر آپ ہی کی سی سمجھ رکھنے والا کوئی ہو تو یہاں دارا سے داریوش مراد لے سکتا ہے۔ اگر دارا سے مراد شاہ داریوش ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ مصرعۂ اول (تو لی غالب تو لی قاہر تو لی باطن تو لی ظاہر) میں غالب سے مراد اسد اللہ خاں غالب نہ لیجیے قاہر سے مولوی عبد القاہر باطن سے حکیم باطن الدین خاں عرف بیٹو۔ اور ظاہر بھی کسی شخص کا لقب رکھ لیجیے۔

گفتم زشوق درگہ دارا سے روزگار

میں بھی سوا مالک و صاحب کے دوسرے معنی صحیح نہیں ہیں خود اضافت معنی کی تخصیص کر رہا ہے۔ دارا کا تاج نایاب جواہر و معدنیات سے مزین تھا اس وجہ سے اس تاج کو شاعروں نے ہر ایک بادشاہ کے سر پہ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور آپ نے اپنی اس عبارت میں:۔

"متاخرین میں تاج دارائی مرزا غالب کے سر پہ جلوہ افگن ہوا" کوئی ایسا قرینہ نہیں رکھا جس سے معلوم ہو کہ دارائی سے جناب نے کونسا صفت

مراد لیا ہے قاآنی کے اس شعر میں ؎

تا بچے از ستگہ تو گذشتہ چہ سر
غیرت تاج قباد و افسر دارا

ایک تاج کا مقابلہ دوسرے تاج سے کیا گیا ہے اور پہلا تاج افضل قرار دیا ہے۔ افسر دارا مفضول ہے۔ اسی قصیدے میں اگر ڈھونڈیے تو لفظ دارا محمد شاہ کی شان میں قاآنی مرحوم نے استعمال کی ہے ؎

خندہ کناں گفت این تعلق تا کے
خیز و بگو مدحے از شہنشہ دارا

مگر یہاں بھی دارا سے مراد مالک و آقا ہے چنانچہ بطور دفع دخل مقدما سے کہنا پڑا ؎

تا ز زوال است لا یزال مبرا
ملک ملیک باد از زوال معرا

ورنہ خیال ہوتا کہ داریوش مراد ہے۔ اور ایسی صورت میں مدح عین قدح ہو جاتی۔ ہوشیار شعرا ایسے محل پہ چوٹ بچا جاتے ہیں۔ آپ نے جتنے شعر پیش کیے ہیں وہ سب ہمارے مفید مطلب ہیں نہ آپ کے۔

ہم نے یہ نہیں کہا تھا کہ تاج دارائی غلط ہے ہم نے محل استعمال پہ اعتراض کیا تھا اس اعتراض کو آپ کی سندوں نے اور قوی کر دیا۔ چنانچہ یہ شعر بھی ہمارے مفید مطلب ہے ؎

گرفتہ تاج دارائی ز دارا
بفرماں بر دنش چوں موم خارا

حضرت بیخود فرماتے ہیں:۔

"کاش معترض نقاد نے دیکھ لیا ہوتا کہ دارا صرف خاندان کیانی کے کسی فرد خاص ہی کا نام ہے یا قیصر و خاقان کی طرح لقب بھی ہے" مگر معترض نقاد سے پہلے خود بیخود صاحب کو لازم تھا کہ "تاج دارائی" کا مفہوم واضح کر دیتے یہ فرمائش نرالی ہے کہ لکھیے آپ اور توضیح کریں ہم آپ فرمائیں صرف دارائی اور ہم کہیں یہاں تاج دارائی سے مراد تاج دارا سے عرض ہے یعنے کہ داریوش المعروف بہ دارا کا تاج سکندر نے

چھین لیا تھا۔ تاج دارائی کہنے سے غرور شان و شکوہ تفاخر کی زیادتی مطلوب ہے اور شان و شکوہ داریوش کی مشہور ہے نہ دارائے اصغر کی۔ ذہن مجبور ہے کہ جب تک قرینۂ نافی نہ ہو اس وقت تک فرد متعارف ہی مراد لے یہ فرض قائل کا ہے کہ اپنے مقصود کے سوا کسی دوسری جانب ذہن سامع کو متبادر نہ ہونے دے سامع کا فرض نہیں ہے مثلاً اس جملہ کے معنی کہ "ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دیکھ لینا تھا کہ تاریخ کیا کہتی ہے" ہماری سوجھ اور عقل سے باہر ہیں۔ اے حضرت تاریخ یہی کہتی ہے کہ دارا کا تاج سکندر نے چھین لیا تاج قیمتی تھا لہذا تاج کے لالچ سے سہی دارا بننے کی خواہش کسی کو نہیں ہے۔

حضرت بیخود تحریر فرماتے ہیں کہ مضمون کے طولانی ہو جانے کا خوف نہ ہوتا تو میں اتنی مثالیں لکھتا کہ گنی نہ جاتیں۔ اور ہم کہتے ہیں کہ ایسی مثالیں کس کام کی جو خود آپ کے خلاف گواہی دیں۔ آپ اب لکھ ڈالیے منع کس نے کیا ہے۔

ایسے ہی افادات کے واسطے "الناظر" صاحب نے جنم لیا ہے۔ انکے یہاں مضامین چھپتی بڑی ہے۔ دس بیس پچیس روپیہ میں دس بیس مستقل مضمون لکھواتے ہیں۔ ایک شخص انعام پاتا ہے باقی لکھنے والوں کو یہ بھی اجازت نہیں کہ اپنا مضمون دوسرے پرچہ میں چھپوائیں یعنے اجیر وغیر اجیر دونوں الناظر کے مملوک ہیں منتخب و غیر منتخب دونوں کی اشاعت کا حق الناظر صاحب کو ہے۔ لگے ہاتھوں آپ بھی انھیں میں شامل ہو جائیے طول و عرض کا خوف بیکار ہے۔

یہ تحریر بھی بیجا ہے کہ:۔

"فاضل معترض کو جیسے بے بضاعت سے ایسی احتیاط کی کیا توقع رکھتا ہے جو علیم قاآنی اور ملا ظفر ایسے باکمالوں سے نہ ہو سکی"۔

باجیسی کہ یہ توقع نہیں بلکہ تنبیہ ہے آپ



حسرت: چرا خم گشتہ چو بر چہ می جوئی دریں میداں

محمد علی: مپرس از من کہ گم کردم کلید کامرانی را

ایک شرح کے مقابلہ میں شرح لکھنے بیٹھے ہیں مگر اس سے غافل ہیں کہ جس شخص کے مقابلے میں آپ نے قلم اُٹھایا ہے اُسنے اپنی تصنیف میں ایسی ہی احتیاط کی پابندی کی ہے۔ مولانا طباطبائی کی شرح میں ناواجب تحسین بھی نہیں ہے اور غیر وارد اعتراض سے بھی اجتناب کیا گیا ہے۔"

قاآنی اہل زبان ہے ملا طغرا باکمال سہی مگر اہل زبان نہیں ہیں دونوں کا ایک ساتھ ذکر بھی عجیب خلط بحث ہے یہ بھی حضرت بیخود کا اجتہاد ہے کہ مولانا طباطبائی ملا طغرا کو مستند سمجھتے ہیں اور اُنھوں نے ملا طغرا کا یہ شعر اپنی شرح میں لکھا ہے ؎

کند حق صوفی گری سادا
بیک چشم جنید بشاہ دگر

اگر جناب طباطبائی یہ شعر لکھتے تو ضرور یک چشم پر اعتراض بھی کرتے۔ پھر ملاحظہ فرمایئے کہیں سہو تو نہیں ہوا؟

اب رہی یہ تشنیع کہ:۔

"کہ مرزا غالب کے اس شعر پر نہایت دلکش عبارت تحریر فرمادی ہے ؎

جو مدعی بنے اُسکے نہ مدعی بنیے
جو ناسزا کہے اُسکو نہ ناسزا کہیے

ارشاد طباطبائی "اس شعر میں ہجو کا نام آجانا مذاق اہل لکھنؤ میں گراں گزرتا ہوگا اور البتہ بجا معلوم ہوتا ہے"

اس تشنیع کا جواب یہی ہے کہ آپ ان باتوں کا لحاظ اپنی شاعری میں نہ فرمائیں ع

"جو رو بہ پڑھا تیغ کے گھاٹ اُسکو اُتارا"

اور۔ ع

جسطرح سے نغمہ کی صدا تار پہ دوڑے

یہ مصرعے خود اساتذہ میں سے ایک اُستاد کے ہیں اور اسی لکھنؤ میں ان پر اعتراض ہوا تھا۔ کسی صاحب نے فرمایا تھا ؎

وہ دردِ عنایت کہ جو قاب کو کلپا دے

سننے والے ظریف نے جیسا خود تعریف کی کیا خوب

آج نہیں کل پاورٹ۔ واہ حضرت آپ نے تو ...... کیا صحیح کہا ہے۔

سنجر ایرانی کے ایک شاگرد نے "گوارہ دین" نظم کیا تھا سنجر نے ترش ہو کے کہا "دین خوب نیست" لہذا حضرت بیخود کا یہ فرمانا بھی سخن ناشناسی کی دلیل ہے کہ "اُدبائے ایران کا مذاق اتنا لطیف نہیں جتنا اہل لکھنؤ کا" ایسے امور میں دخل دینا کوئی دانشمندی نہیں جن سے انسان ناواقف ہو۔ جو شخص فصیح ہے وہ کبھی ایسی بات زبان سے نہ نکالے گا جو سامع کے تبادر ذہنی میں مخل ہو اور قائل کے مقصود تک رسائی نہ کر سکے۔

نقل اقوال میں حضرت بیخود نے واقعی زحمت اُٹھائی ہے مگر افسوس خاک چھاننے کا حاصل کچھ نہوا۔ ہمیں تعجب ہے کہ اُنھوں نے ستار ہی کے ترانے کیوں نقل نہ فرمائے جو ہر وقت "دارا دا ردا دارا دارا" کرتے رہتے ہیں۔ یا پُرانے کلام میں "دارائی" کا لفظ کیوں نہ ڈھونڈھا جو ایک زرتار کپڑا تھا اور امیروں کے یہاں زیادہ تر فرش میں کام آتا تھا دری اُسی کی نقل ہے۔ (باقی آیندہ)

راقم
ادیب الشعرا

مولانا پنچ کی نوٹ بک

"از میر چاق"

دیگر ضروری مباحث کی وجہ سے ہم "بی مدینا" کی خدمت کچھ نہ کر سکے اوڈ الامان صاحب بھی چپ ہو رہے جنھیں "بی مدینا" کی تانیث لفظی نے خدمت کی رغبت دلائی تھی حالانکہ سستی کا علاج ممکن ہے خصوصاً دلی میں۔ معلوم ہوا کہ بجنور ہی میں بی مدینا کے جن گاہک پیدا ہو گئے ہیں اب بروائے فتادہ مشتاقین کی باریابی اُنکے دربار میں مشکل ہے چنانچہ ایک چھپا ہوا پمفلٹ بعنوان:۔

"ایڈیٹر اخبار مدینہ کا کچا چٹھا"

ہمیں ملا ہے اسکے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بجنور کی میونسپلٹی میں ایک درخواست گزری جسکی مخالفت مجید حسن صاحب نے فرمائی۔ اس درخواست کی غرض یہ تھی کہ ووٹروں کی فہرست میں غلط اور فرضی نام درج ہیں ان کی جانچ کی جائے۔ باوجود مالک مدینا کی مخالفت کے جانچ کی گئی۔ پمفلٹ میں تحریر ہے:۔

"نتیجہ تحقیقات سے بالآخر ثابت ہو گیا کہ مدینہ کے پیٹ میں جو قولنج تھا وہ بجا تھا درخواست ایک بڑی حد تک صحیح نکلی اور مدینہ کی استدعا دی ڈگری کے نذر ہو گئی جو فریب کی مؤید تھی یعنی بہت بڑا دھوکا اور فریب تھی جو اندراج نام ووٹرا کا مخلوط سرگان وقصابان میں ظاہر ہوا جس سے مالک مدینہ منتخب ہو گئے"

یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس غلطی کا ارتکاب ووٹروں کی طرف سے نہیں ہوا اُنھوں نے ایک جلسہ کرکے خود ظاہر کر دیا کہ اُنکی کوئی درخواست دی ہی نہ تھی؟ پمفلٹ میں مدینا کے ایڈیٹر کی غیرت اور شرم سے بھی بحث کی گئی ہے کہ اُنکی آزادی و تارک موالاتی جو صرف کہہ رہی میں ملبوس تھی دفعہ ۱۲۴ الف کے مقدمہ میں سر راہ برہنہ ہو چکی ہے اور بجنور کا ہر شخص واقف ہے کہ قاضی صاحب نے اُن شرط ہوئے گندہ الفاظ میں معافی مانگی جو گورنمنٹ نے زبردستی اُن کے مُنھ میں ٹھونسے تھے۔

اگر یہ واقعات صحیح ہیں تو بین دنیا کا زیجاں
ہونے میں کوئی اشتباہ نہیں۔ زیر چاق وہ نرم کیا
ہے جو مردانِ قوی دست کے انگوٹھوں کا مقابلہ
نہ کرسکے اور ادنیٰ اشارے سے اسکے دونوں کانٹے
مل جائیں۔ آپ ہی بتائیے کہ جب لوچ کا یہ عالم
ہے تو کیوں وہ اپنی نازکی و نرم اندامی کو بدوں
سے مقابلہ کرکے نقصان پہونچانا چاہتی ہیں۔ ایسے
پیچیز اور ایسے مالک سے انھیں منہ موڑ لینا چاہئے
ورنہ عیسوی قوی جرأت اخلاقی حمایت صدق
کے دعوے کی ہنڈیا بلکہ مٹی ہو جائے گی۔
بجنوری وکلا (مسٹر محمد رفیق وغیرہ) کے مقابلہ میں
عمزہ ہائے خونریز سے کام نکلا معلوم نہیں ہوتا
اگرچہ قانون میں عمزے کے متعلق کوئی دفعہ
نہیں ہے مگر خدا اس قانونی گروہ سے بچائے
بتوں کو انھوں نے ناچ نچایا ہے۔

معذرت

ہمارے مکرم مہربان راجہ زندہ کنور بہاری لال
تحصیلدار و آنریری مجسٹریٹ نواب گنج ضلع بریلی
ایک صوفی منش شخص ہیں۔ آپ جب تک فیض آباد
میں رہے۔ ہندو و مسلمان دونوں آپ سے راضی
رہے کسی کو ذرہ شکایت نہیں ہوئی آجکل ہندو
اور مسلمان کا قضیہ کیچڑا ہر جگہ پھیلا ہوا ہے
ایسی حالت میں کسی حاکم کا بے تعصب اور منصف
مزاج ہونا بہت غنیمت ہے فیض آباد کے عمائد
آپ کے فراق سے رنجیدہ ہوئے اور خصتی دعوت
میں اس رنج کا اظہار کیا۔ فیض آباد سے بریلی
تبدیل ہوئے تو وہاں بھی ہم قسمت ایسی دو
گروہوں میں تھی اُسے دفع کیا۔ متصل شریف میاں
ایک بزرگ حضرت چراغ علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ
کا مزار ہے۔ کنور صاحب کے اہتمام خاص میں
امسال عرس اس خوبی سے ہوا کہ وہاں کے ایک
رئیس شیخ محمد احتشام اللہ خلف جناب شیخ محمد
انتظام اللہ صاحب آنریری مجسٹریٹ نے طولانی
مضمون برائے اشاعت ہمارے پاس بھیجا جسے

ہم قلتِ گنجائش ہونے کے باعث شائع نہ کرسکے۔ آپ
شاعر بھی ہیں عاجز تخلص ہے۔ آپ نے اپنی رام لیلا
میں ایسا انتظام کیا کہ کوئی تصادم ہونے نہ پایا۔ آپ
کی شاعری میں حقانیت کے سوا کچھ نہیں ہوتا مثلاً

کچھ نہ مغفرت کرو دل سے خدا خدا کر
عاجز یہی دعا ہے سر کو جھکا جھکا کر

ہم حضرات فیض آباد و نواب گنج سے معذرت خواہ
ہیں کہ اُنکے بھیجے ہوئے مضامین شائع نہ ہوسکے
بات یہ ہے کہ شاہ صاحب کے مزار پر گنبد بنا
ہوا ہے۔ گنبد حال کی نو ایجاد شریعت میں
کفر کا مسکن ہے۔ باور نہ ہو تو جناب کفر الملک
سے پوچھ لیجیے۔

سر ہائیکل اوڈوائر
اور
دروسیوں کی حمایت

پنجاب میں قتل عام ہوا تو کیا مضائقہ مگر اتنا
ہم بھی جانتے ہیں کہ اوڈوائر صاحب آدمی دِل جلے
ہیں جب تو شام میں فرانسیسیوں کے ہاتھ سے
دروسیوں کے قتل عام پر انھیں غم ہوگئیں۔
شاید فرانسیسیوں کی طرف سے بھی کوئی جنرل
ڈائر حاکم شام ہے۔ سر ہائیکل سے کوئی پوچھے
کہ شام میں فرانسیسیوں کا حق اعلیٰ کس نے
تسلیم کیا؟

بہ گردن شمر ہم زند گردن او دست
خون شہدا تمام بہ گردن او دست

شادی کا پیچیا بھاری

ایران میں انقلاب ہوا۔ خاندان قاچار کے
قابو سے نخش بکاری اور اسراف کے ذرائع نکل گئے۔
سردار رضا خاں اس وقت تک نائب شاہ رہیگے
جبتک قانون جمہوریت مرتب ہو۔ عام رعایا
خوشیاں منا رہی ہے مگر علماؤں کے گنبد جنبش
میں ہیں اور فلکی گردش کی پیشگوئی کرتے ہیں۔
دیکھیے کیا ہو۔

گڑ بھرا ہنسیا

فیض آباد ریلوے صرف ۲۰ وصیل بنی ہے مگر اس پر
ساہیں کروڑ صرف ہو گئے جل جلالہ اور ایسے
انجام کا رنگ اور کسقدر اور لاگت آتی ہے۔ ہر روز
جوسنگے لاگ جان کھاۓ جاتے ہیں کوئی جاگیر
مانگتا ہے کوئی نقد کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے
مگر سب سے زیادہ دل لگی کی یہ بات سنی گئی ہے

- - - - - - - - - - - - - - - -

کہ سرکار سے معاہدہ تو خالی ریل کی پٹری بچھانے
بھر کا تھا۔ پٹری بچھ گئی اب ریل چلانے کا
معاملہ نیا ہے اسکے لیے جدید معاہدے کی
ضرورت ہے۔ ایکی معاہدہ ہو تو سیٹی بجانے
سگنل دینے جھنڈی ہلانے کھانسنے کا تھکے
رومال سے ناک صاف کرنے اور ایسے تمام افعال
جنکا عمل اس سودے میں ناگزیر ہو درج کرنا
لازم ہے ورنہ قدم قدم پر چھینک ہوگی۔

جھوٹ ہے

آئندہ ہر ایک خبر جو لندن سے حجاز کے متعلق
آئے جھوٹ ہے:۔

مثلاً ابن سعود نے مکہ معظمہ کے گرد جو مسجد تھے
اسے تو چھوڑ دیا باقی تمام مزار کھدوا ڈالے اس
خبر کی تصدیق ہوگئی کہ حضرت حمزہؓ کا مزار مقدس
مسمار کر دیا گیا۔ یا یہ کہ ابھی نجدی مدینہ منورہ
میں داخل نہیں ہوئے۔
یا یہ معنی کہ سر گلبرٹ کلائٹن سرحد عراق و نجد کا
معاملہ ابن سعود سے طے کرچکے مگر نجد کی سرحد
شام سے ملانے پر ابن سعود مچل گیا ہے۔ سر گلبرٹ
۱۵ / نومبر تک تو مصر پہونچ جائیں گے۔
جب حال یہ ہے تو ہندوستانی غلامان ابن سعود
ضرور یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ خبریں سر گلبرٹ نے
اپنی ناکامی کی جھیل میں اڑا دی ہیں۔

لائسنس کے قابل اوزار

حال ہی میں جو تی پیزار کے جو واقعات ہوئے ہیں [illegible]

معارف النغمات

یعنی

وہ بے نظیر کتاب جس نے بیچ پنچ ہوا میں گرہ لگا لی

اور

ایک گراموفون کی طرح سُروں کے محفوظ رکھنے

بلکہ

گلے کے جملہ حرکات کاغذ پر لکھ لینے کے قواعد سکھائے

ایک

مشہور معروف کتاب ہے

اس کے

حصہ اول کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ تا حال موسیقی کے جزو علمی اور عملی پر اس سے بہتر کتاب شائع نہیں ہوئی اب اسی کتاب کا

حصہ دوم

شائع ہوا ہے۔ حصہ دوم میں مصنف نے اساتذہ فن کے علم سینہ کو

علم سفینہ بنایا ہے

یعنی

تان سین کے عہد سے زمانہ حال تک صدہا اساتذہ فن کی گائکی اور اُنکے گلے سے نقل کی ہوئی دھرپد اور ہوری کی نقشہ کتاب پر کھینچ دیا ہے۔

اُستاد محمد علی خاں

میاں تان سین کے آخری یادگار ہیں صدہا راگوں کی دھرپد اور ہوریاں اس کتاب میں ان سے نقل کی گئی ہیں۔ لطف یہ کہ اگر آپ منہ گلے سے ادا کرنے پر قادر ہیں تو کتاب کے رموز کو سمجھ لینے کے بعد جو کہ نہایت وضاحت سے ابتدائے کتاب میں لکھ دیئے گئے اُسی طرح ہر ایک راگ کو برت سکتے ہیں جس طرح کہ اُستاد خود تعلیم دیتا ورنہ ایک معمولی ہارمونیم یا سارنگی سے کام نکال سکتے ہیں۔ انکے علاوہ دیگر مشاہیر کا سرمایہ ناز بھی آپ کو اس کتاب میں ملے گا۔ فی الحقیقۃ مصنف نے لاکھوں روپیہ صرف کیا اور ایک عمر کی محنت سے کام لے کے اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔

قیمت جلد اول للعہ قیمت جلد دوم عہ

محصول ڈاک ہر حال میں ذمہ خریدار

المشتہر: منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

ایک فلسفی

یعنی

مرحوم مولانا کرامت حسین سابق جج ہائی کورٹ الہ آباد کے کار آمد خلائق مصنفات یہ وہ نادر تصنیفات ہیں جنھوں نے اُردو زبان کو علمی بنا دیا ہے ملک کے ہر ایک بچہ کو پڑھائیے اور کام کا آدمی بنائیے اگر خود پڑھیے تو زندگی کی قیمت بڑھائیے۔

افراد کا سبب۔ ہمیشہ ورد کے مطالعہ کی چیز ہے۔ اُردو ۱۲؍

الدین اور سالکون۔ یعنی موازنہ مذہب و سائنس اُردو ۱۲؍

علم الاخلاق (مسلم گرلز اسکول کے کورس میں داخل تھی اُردو یونیورسٹی حیدر آباد دکن کے نصاب تعلیمی میں شامل تھی مجلد قیمت مع محصول ڈاک عہ؍

امور عامہ۔ عربی فلسفہ عقلی کا کارآمد متن ہے ۴؍

زائد خریداروں کو کمیشن دیا جائے گا

المشتہر

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

اودھ پنچ لکھنؤ سنہ ۱۹۲۴ء

کی چند مکمل جلدیں دفتر میں برائے فروخت موجود ہیں قیمت فی جلد سے مع محصول ڈاک۔ مشتاقین جلد طلب فرمائیں۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

شرائط ایجنسی

(۱) نقد روپیہ پیشگی جمع کرنا ہو گا۔

(۲) رقم جمع شدہ کے ادا ہوتے ہی پرچہ کی روانگی موقوف کر دی جائے گی۔

(۳) پانچ پرچہ فی ہفتہ سے کم کی ایجنسی قبول نہ کی جائے گی۔

(۴) بحساب دو آنہ فی پرچہ فروخت کرنا ہوگا اور چہارم کمیشن ایجنٹ صاحب کو دیا جائے گا۔ علاوہ خاص حالتوں کے پرانا پرچہ واپس نہ لیے جائینگے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ
